

دل
از قلم زید ذوالفقار
مکمل ناول

ناول بینک ویب پر شائع ہونے والے تمام ناولز کے جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام محفوظ ہے۔ خلاف ورزی کرنے والے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جا سکتی ہے۔ اگر آپ اپنی تحریر ناول بینک پر شائع کروانا چاہتے ہیں تو اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں سینڈ کر دیں۔ آپ کی تحریر ناول بینک ویب پر شائع کر دی جائے گی۔

E-mail : pdfnovelbank@gmail.com

WhatsApp : 92 306 1756508

ناول بینک انتظامیہ

وہ دل

وہ جس کے بارے میں وہ کہتا تھا

"میرے اور تمہارے نام کا پہلا پہلا حرف ملا دیں، تو یہ دل بنتا ہے"

تو وہ دل بن گیا تھا۔

ہمیشہ کے لیے ٹوٹ جانے کے لیے وہ دل بن ہی گیا تھا۔

جیل کی وہ کوٹھڑی ملجگے سے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ راہداری خاموش تھی۔ ان سلاخوں کے باہر، دیوار کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا وہ چوکیدار اونگھ رہا تھا۔ وہ سلاخیں بھی جیسے نیند میں تھیں۔ اُس کوٹھڑی کے فرش پہ ایک طرف ہچھی چٹائی پہ کروٹ لیئے، بازو کو تکیہ بنائے وہ خاموش لیٹا ہوا تھا۔ دور کسی غیر مرئی نکتے کو دیکھتا ہوا۔ مسلسل کچھ سوچتا ہوا۔

وہ جو سب ہوا تھا تو واقعی ہو چکا تھا؟؟ وہ سچ میں وہاں تھا؟؟؟
جو ہونا تھا، ہو تو چکا تھا۔ اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ وہاں تھا۔ وہ گھسیٹ کر وہاں لایا گیا تھا۔
ابھی دوپہر ہی کا تو قصہ تھا۔ سارا آفس تماشہ دیکھتا رہا تھا جب وہ پولیس انسپکٹر اسے
تھکڑی لگائے باہر تک لیکر آیا تھا۔ باہر تو خیر ادھے شہر نے تماشا دیکھا تھا۔
پرواہ تو خیر اسے کسی کی بھی نہیں تھی۔ دیکھنے تو اسکا تماشا ساری دنیا دیکھتی۔ اسکا تسخر
چاہے ساری کائنات اڑاتی، اسکی جوتی کو بھی پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ تھی تو اسکی کہ وہ

-----جو۔

ایک حرف لکھوں کہ اس حرف سے
میرا نام بنے
پھر ایک حرف لکھوں

کہ اس حرف سے

جو نام بنے

تیرا نام بنے

پھر ایک حرف لکھوں کہ اس حرف سے

ان ناموں کے بچ پیار بنے

وہ چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔

رات ادھی سے زیادہ گزر چکی تھی لیکن اسکی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ ویسے بھی آج رات وہ سو نہیں سکتی تھی۔ کم از کم آج رات نہیں جب جانتی تھی کہ وہ بھی نہیں سویا ہوگا۔

"تمہیں کیسے پتہ ہے کہ وہ سویا نہیں ہوگا؟؟؟؟؟"

اسکے اُس دل نے پوچھا تھا جو پورے کا پورا، سارے کا سارا اسکا اپنا تھا۔ وہ کم از کم اپنے دل کا پہلا ہی حرف اس شخص کے نام نہیں کرتی تھی۔

ناکافی روشنی میں وہ ٹھیک سے دیکھ نہیں پا رہا تھا جب وہ لائٹ آن ہوئی تھی۔ کوٹھڑی روشنی میں نہا گئی تھی اور اسکی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"بھائی؟؟؟ دانیال؟؟؟"

وہ ولی تھا۔

"تُو ٹھیک ہے ناں؟؟؟؟"

وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"تو اتنی رات کو یہاں کیا کر رہا ہے؟؟؟"

دانیال نے اچھنبے سے اسے کہا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تو یہاں بند ہے اور میں گھر جا کے سو جاؤں؟؟؟"

وہ چپ رہ گیا۔ وہ سلاخوں کے اس پار سے ایک ایک کر کے سامان اندر رکھنے لگا تھا۔

سپیشل اجازت لی ہے۔ ایس پی کے تو ہاتھ باندھ رکھے ہیں اس کمینے سلطان نے۔

"میں کمشنر تک کے پیچھے پہنچا ہوں۔ وہ سالہ بھی ویک اینڈ پہ مری گیا ہوا ہے۔

وہ بولتا جا رہا تھا۔ بنا یہ سوچے کہ کوئی سنے گا تو کیا کسے گا

"میں کیا پوچھ رہا ہوں ؟؟؟؟"

"ارے بھاڑ میں گئی وہ اور اسکی خیریت-----"

وہ زور سے چلایا تھا۔ دانیال کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔

"وہ دو ٹکے کی ڈانسر تجھے یہاں تک----"

"شٹ اپ !!!!!شٹ اپ-----"

دانیال حلق کے بل چلایا تھا۔ چوکیدار ہڑبڑا کے جاگا تھا

"تو دفعان ہو جا یہاں سے-----"

"وہ اپنا جو بھی نام رکھ لے دانیال ہے تو وہ اسی بازار-----"

دانیال نے وہ گلاس اٹھا کر سلاخوں پہ دے مارا تھا۔ کانچ کے ٹکڑے دور تک بکھر گئے تھے۔

تو اگر چاہتا ہے کہ میں تیرا قتل ناکردوں تو یہاں سے چلا جا ولی---- ابھی اسی"

"وقت-----"

وہ پریس کانفرنس جاری تھی۔

مائیکس سے اٹی میز کے پرے کرسیوں پہ سے ایک پہ وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکے برابر میں وہ کچھ وکیل تھے، کچھ میڈیا کے بندے تھے۔ سلطان رضوی تھا، اور ایس پی صاحب تھے۔

میں معمول کے مطابق ہی آفس گئی تھی۔ ویک اینڈ پہ ویسے تو آف ہوتا ہے لیکن جب "

"کام زیادہ ہو تو ہمیں جانا پڑتا ہے۔"

وہ ہی بول رہی تھی۔

سامنے رپورٹرز کا مجمع تھا۔ سب لکھنے میں، سننے میں مصروف تھے۔ فوٹوگرافر دھڑا دھڑ
تصاویر بنا رہے تھے۔ کمیروں کے فلیش آنکھیں چندھیا رہے تھے۔

آپ نے کچھ غیر معمولی محسوس کیا اس دن آفس میں ؟؟؟؟؟؟ یا دانیال مرتضیٰ کے "روپے میں ؟؟؟؟"

وہ زرا کی

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ ایک ڈانسرہ چکی ہیں ؟؟؟؟"

وہ اسکے سگے بھائی کا فنکشن نا ہوتا تو وہ وہاں کبھی بھی نا آتا۔ اسے وہ سب کبھی بھی پسند نہیں رہا تھا۔ کبھی بھی نہیں۔ جتنا وہ اس سب سے چڑتا تھا اور اس سب سے کراہیت کھاتا تھا، اتنا ہی وہ سب بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ سارا فنکشن احسان بھائی کے دوستوں کی طرف سے کیا گیا تھا۔ وہ ہال، ساری انجمنٹس، پینا پلانا اور وہ ڈانسرز۔

"یہ سب ضروری تھا؟؟؟"

اس نے ناگواری سے ولی کو دیکھا تھا

"اوہ جگر خوشی کے موقع پہ یہ سب ہی تو ضروری ہوتا ہے"

"کسی کی ضرورت کو ہم اپنی خوشی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ واؤ"

وہ کہہ کر ایک کونے کی ٹیبل پہ چلا گیا تھا۔

وہ مختصر کپڑوں میں لبوس ڈانسرز، وہ نیم برسنہ جسم، بھرکیلے چمکیلے چہرے، وہ اونچا

میوزک، وہ بے ہنگم رقص، وہ ناپاک جسارتیں، وہ سب۔

وہ سب جسے ہم "خوشی کے موقع" پہ "ضروری" کہہ دیتے ہیں۔ یہ صرف اس کلاس میں نہیں ہے۔ نیچے سے نیچے کا طبقہ بھی جب تک کسی فنکشن میں ان جیسی ڈانسرز کو نہیں بلوا لیتا، ان کو نہیں نچوا لیتا، چین نہیں ملتا ہے۔ وہ سب جسے ماضی میں ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا، اب فیشن بن چکا ہے۔ وہ کوٹھے تو اجر گئے ہیں لیکن وہ کوٹھے والیاں اب ہماری دہلیز تک آگئی ہیں۔

اب بھی احسان بھائی، انکے دوست اور کزنز سیٹج کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ بے ہنگم میوزک چل رہا تھا اور وہ لڑکی ہوش ربا رقص کرنے میں مصروف تھی۔ وہ نوٹوں کو اس پہ وارتے جاتے تھے، اسے بہانے بہانے سے قریب بلاتے اور چھونے کی کوششیں کرتے تھے۔

تبھی وہ اس کے سامنے والی کرسی پہ آ بیٹھی تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔ گہرا لال لہنگا اور ہم رنگ بلاؤز جو سینے سے زرا نیچے ختم ہو رہا تھا۔ ہم رنگ آویزے اور کالا۔ شانوں پہ بکھرے بال اور ماتھے سے گردن تک جلد پہ نمودار ہو چکے وہ پسینے کے ننھے ننھے قطرے۔ وہ ٹشو لیئے احتیاط سے ماتھا خشک کر رہی تھی۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے

اپنے پرس سے وہ شیشہ نکالا اور اپنا اپ دیکھنے لگی۔ وہ لپ اسٹک کھولی اور وہ ہونٹ لال سے لال تر ہوتے گئے۔

"ایک بات بتاؤ؟؟؟"

دانیال نے اسے کڑی نظروں سے دیکھا تھا

اس سب کے بعد جب تم اپنے گھر لوٹو گی اور بستر پہ سونے کے لیئے لیٹ جاو گی تو "

"کیا سکون کی نیند سو پاؤ گی ؟؟؟؟؟؟

وہ اسے چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

ان سب مردوں کی وہ نظریں جو تمہارے جسم کے آر پار ہو رہی ہیں، اگلے دن اٹھو گی تو "بھول چکی ہو گی؟؟؟؟ کیا واقعی ان نظروں نے کوئی نشان نہیں چھوڑا ہو گا؟؟؟؟؟ وہ آگے کو ہوئی تھی۔

یہ آدمی جس کے لیے سارا فنکشن سجایا گیا ہے، غور سے دیکھو۔ یہ جیسے ان لڑکیوں کو "چھو رہا ہے، کل کو اپنی بیوی کو بھی یونہی چھوئے گا۔ جیسے مجھے دیکھ رہا ہے، کل کو اپنی بیوی کو بھی یونہی دیکھے گا۔ اس کے لیے میں بھی بس ایک عورت ہوں اور وہ بھی۔"

دانیال نے جیب میں ہاتھ ڈالا تھا اور وہ کارڈ نکال کے اسکے سامنے رکھا۔
 "عزت کی روٹی۔ اجالوں کی نوکری۔ دن کا کام۔ ایک اچھی جاب۔"
 وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

وہ رپورٹر پوچھ رہا تھا اور وہ چپ رہ گئی تھی۔ سلطان نے ناگواری سے اس رپورٹر کو دیکھا تھا
واٹ ریش۔ یہ کیسا بیہودہ سوال ہے۔ بجائے اسکے کہ ہم ایک ریپ وکٹم کو سپورٹ "
"کریں، ہم اسکا ماضی کرید نے بیٹھ گئے ہیں؟؟؟؟ شرم انی چاہیئے

اس نے فون رکھ دیا تھا۔ سر دیوار سے ٹکا کے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

"وہ ڈانسر؟؟؟؟؟ دانیال وہ ناچنے والی ؟؟؟؟"

وہ بازگشت سی ہوئی تھی

"اسکا نام لیلیٰ ہے ڈیڈ"

اس نے ناگواری سے کہا تھا۔

میں نے اسے جاب آفر کی ہے۔ اب اسکی مرضی ہے وہ جوائن کرے گی تو اسے کوئی " نہیں نکالے گا۔

تبھی سلاخوں پہ آہٹ ہوئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس پار ولی کھڑا تھا۔

"سوری یار بھائی"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور نا ہی اسے دوبارہ دیکھا تھا۔

"معاف کر دے ناں یار

وہ زرا رکا

وہ ٹھیک ہے۔ انکل آنٹی یا احسان بھائی نے کچھ بھی نہیں کیا اسکے خلاف۔ انہیں "بھی تو پتہ ہے تیرا۔ وہ آرہے ہیں دوپہر تک واپس۔ تو ٹینشن نالے۔ گارڈز ہیں اسکے گھر " کے باہر۔ سادہ کپڑوں میں ہی ہیں۔

اس نے اسے گھور کے دیکھا تھا

"آئندہ میں تیری زبان سے یہ سب بکواس نا سنوں اسکے لئے"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چلتا ہوا اسکے نزدیک آیا

"ایک کام کرنا ہوگا میرا"

"حکم کر یار"

"اسے ایک دفعہ یہاں لے آ۔"

وہ دھک سے رہ گیا تھا

بس ایک بار۔ بس ایک بار میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کسی بھی طرح اسے "

"یہاں لے آ

"دانی؟؟؟ یار سچ میں تو کہہ رہا ہے یہ؟؟؟"

وہ ابھی تک بے یقین تھا

اس کے بقول تو نے اس کا ریپ کیا ہے۔ وہ تجھ سے ملنے آئے گی ؟؟؟ تو سچ میں "

"ہوش میں تو ہے ؟؟؟؟"

وہ چپ رہ گیا

پھر میں کچھ کہوں گا تو تجھے برا لگے گا تو میں چپ ہی رہتا ہوں لیکن تو۔۔۔۔۔ تو میرا "بھائی سکون کر لے کل تک۔ کل صبح سب سے پہلا کام تیری ضمانت کا ہوگا۔"

"اس سے پہلے ملنا ہے اس سے"

"یہ ممکن نہیں ہے دانیال"

"پلیز بھائی بن کے۔۔۔۔ پلیز یار۔۔۔۔"

وہ لے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

ولی ٹھیک تو کہہ رہا تھا۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس سے ملنے جیل پہنچ جاتی۔ اس شخص سے جس نے اسکا ریپ کر ڈالا تھا۔ ولی کو تو اس نے دھکے دیکر گھر سے نکال دیا تھا

تم پیسے والے لوگ ہو تو کیا سمجھتے ہو ہم تمہارے ہاتھوں میں کھڑپتلیاں ہیں ؟؟؟؟ "

"

وہ دیر تک چلاتی رہی تھی اور سارے محلے کو سناتی رہی تھی۔

دفع ہو جاؤ یہاں سے اور اس اپنے دوست کو بھی بتادو۔ اس سے تو اب میں تب ہی "

"ملوں گی جب وہ پھانسی کے تختے پہ ہوگا

اس رات وہ باورچی خانے سے سارے کام نمٹا کے کمرے میں آئی تو اسکا فون بج رہا تھا۔ وہ کوئی غیر شناسا نمبر تھا۔

اُگے گا۔ مجھے مار دینا چاہتی ہو تو تمہیں میرا قتل جائز ہے۔ مجھے رسوا کرنا چاہتی ہو
"تو۔۔۔۔۔"

"میں چاہتی ہوں تم میرا پیچھا چھوڑ دو دانیال مرتضیٰ"

اس نے اسکی بات کاٹ دی تھی

"تم جلیو یا مرو، جیل میں سڑو یا پھانسی چڑھو، میری بلا سے۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔"

وہ ہزینی انداز میں چلائی تھی اور کال کاٹ دی تھی۔

اس سے دور۔۔۔۔۔

بہت دور۔۔۔۔۔

وہ جیل میں، اس پرانی سی چٹائی پہ سر جھکائے، فون

ہاتھ میں پکڑے بیٹھا رہ گیا تھا۔

اے سی کی خنکی۔۔۔۔ ساؤنڈ پروف۔۔۔۔ ملجگا سا اندھیرا۔۔۔۔ آرام دہ۔۔۔۔ سکون بخش۔۔۔۔

اس بستر پہ وہ سویا پڑا تھا۔ ویسی ہی نیند جیسی اس بستر پہ آ سکتی تھی۔
ویسے یہ بھی کسی مفلس کی فلاسفی ہے کہ پیسے سے سکون نہیں خریدا جا سکتا۔ یہ کہ امیر
، آدمی راحت میں نہیں ہوتا۔ ارے جاؤ جاؤ۔۔۔۔ صرف پیسہ ہی خوشی کی گارنٹی نا سہی
اس سے خوشیاں ضرور خریدی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی اُسکی نعمتوں میں سے ایک خوبصورت
نعمت ہے۔

خیر اس نے کروٹ بدلی اور زرا ٹول کے اپنا فون ڈھونڈا۔ مندی مندی آنکھوں سے روشن
سکرین پہ وقت دیکھا اور اسے وہیں بستر پہ چھوڑ دیا تھا۔
ایک نیا دن دانیال مرتضیٰ کی زندگی میں شروع ہو چکا تھا۔
ایک جھپاکے سے منظر بدلتا ہے۔۔۔۔

خبر ہے۔۔۔۔۔

خیر تھی۔۔۔۔۔ عمر کے ستائیس سال وہ آرام دہ پرسکون زندگی عیش سے اپنے لیے جیتا آیا تھا تو یہ چند گھنٹے قید کی صعوبتیں بھی سی۔

میں کیوں ملوں اس سے ؟؟؟ وہ اتنا سب کرنے کے بعد بھی یہ گمان کیسے رکھ سکتا "

" ہے کہ اس کے بلانے پہ میں بھاگتی ہوئی اسکی طرف چلی جاؤں گی ؟؟؟

اس نے تندی سے کہا تھا

"وہ وقت اور تھا جب میں کھڑ پتلی تھی۔ اب نہیں۔۔۔ اب اور نہیں"

وہ طنز بہنسی تھی۔

"کھڑ پتلی تو تُو خیر اب بھی ہے"

"کیا بلواس کر رہی ہے؟؟؟"

اس نے ناگواری سے مینا کو دیکھا تھا۔ وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

میں تجھے پالنے سے جانتی ہوں لیلیٰ۔ مجھے پتہ ہے تیری فطرت کا۔ مجھے پتہ ہے تو کسی"

"بھی بات کو لیکر کسی بھی حد تک جا سکتی ہے

وہ زرا کی تھی

مجھے نہیں پتہ تیرے اور اسکے درمیان میں کیا کچھ رہا ہے۔ کچھ رہا بھی ہے یا نہیں۔"

مجھے نہیں پتہ وہ سچا ہے یا جھوٹا۔ مجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ اس دن ہوا کیا ہوگا اسکے آفس

"میں۔ مجھے یہ سب نہیں پتہ لیلیٰ لیکن۔۔۔۔۔"

وہ آگے کو ہوئی تھی۔

"مجھے بس ایک بات پتہ ہے۔۔۔۔۔ وہ یہ کہ تو ایک بیوقوف لڑکی ہے"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

اس نے کوٹ پہنا تھا اور اب وہ آئیے کے سامنے کھڑا اپنی ٹائی ٹھیک کر رہا تھا۔ اسکے عکس نے اسے بتایا کہ وہ ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ تھا۔

سلیقے سے بنے بال۔۔۔۔۔ وہ مہنگا ترین ہیئر کٹ۔۔۔۔۔ وہ کلون کی خوشگوار لباس۔۔۔۔۔ وہ بہترین لباس۔۔۔۔۔ برانڈڈ جوتے۔۔۔۔۔ گھڑی۔۔۔۔۔

اور وہ عکس۔۔۔۔۔

وہ روشن بھوری آنکھیں۔۔۔۔۔ وہ سامنے والے کے دل میں اترتی آنکھیں۔۔۔۔۔ وہ زیرک آنکھیں۔۔۔۔۔ کسی کو بلاوجہ پزل کرتی آنکھیں۔۔۔۔۔

منظر بدلتا ہے۔۔۔۔۔

آج تمہیں عدالت میں اپنا بیان جمع کروانا ہے۔ وہ اور اسکا وکیل آج پوری کوشش کریں "

" گے ضمانت کی اور یہ ہو بھی جائے گی۔ اسکے ہاتھ بہت لمبے ہیں

اس نے بغور سلطان کو دیکھا تھا۔

مجھے نہیں پتہ وہ دو دن بھی جیل میں کیسے رکا رہا۔ وہ چاہتا تو چند ڈوریاں ہلاتا اور جیل "

سے باہر ہوتا۔ یہ اتوار سوموار کی بات نہیں تھی۔ وہ چاہتا تو جیل تک بھی نا پہنچتا، راستے

" میں ہی سے پولیس اسے واپس باعزت واپس دفتر چھوڑ آتی۔

وہ ہنسا تھا

اتنی بھی اخیر نہیں آئی ہوئی لڑکی۔ وہ اس ملک کو چلانے والے خاندان سے ضرور ہے "

" لیکن اسکی بھی کمزوریاں ہیں

وہ زرا رکا تھا۔

اس نے تمہارے ساتھ جو کیا ہے اسے بھولنا مت۔ میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں۔ ہم "

" اسے جیتنے نہیں دیں گے۔ وہ ضرور ہارے گا لیلیٰ

وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی اس بریف کیس کو گھور رہی تھی۔

وہ ایک پر تعیش کانفرنس روم تھا۔

اسکے وسط میں وہ وسیع و عریض میز اور اسکے اطراف میں کرسیاں موجود تھیں۔ سوڈ بوڈ

افراد وہاں براجمان تھے۔ سارے میں وہ ہلکی سی ٹھنڈکی گھلی ہوئی تھی۔ ایئر فریشنر کی

بھینی سی مہک ہر احساس پہ حاوی تھی۔

میز کے اس سر پہ دانیال مرتضیٰ کھڑا تھا۔ سامنے دیوار گیر سکمرین پہ اپنی پریزنٹیشن کی

، سلائیڈز بدلتا، وہ اپنے پروفیشنل انداز میں بولتا جا رہا تھا۔ رواں اور شستہ لہجہ۔۔۔ بنا رکے

بنا اٹکے، بنا کنفیوز ہوئے وہ بس اپنی کہتا جا رہا تھا۔ اور اسے یہی آتا تھا۔ وہ بس یہی کرتا تھا۔ اپنی کہنا، اپنی کرنا۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔

تمہاری بات ٹھیک ہی جینٹل مین لیکن مجھے بس ایک بات بتاؤ۔۔۔۔۔ صرف تمہارے کہہ "دینے پہ میں اتنی بڑی رقم تمہاری کمپنی میں کیوں انویسٹ کروں؟؟؟؟" وہ ہولے سے مسکرایا

"آپکے سوال کے جواب میں میرا بھی ایک سوال ہے سر"

وہ ہولے ہولے چلتا اپنی کرسی تک آیا اور اس پہ دونوں ہاتھ ٹکائے تھے۔

آپ کہہ رہے ہیں کہ میں یہ کیوں کروں، آپ یہ نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے "؟؟؟؟؟"

وہ انکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا

، اس مارکیٹ میں ہزار اور لوگ بیٹھے ہیں۔ لاکھوں کمپنیز ہیں۔ سینکڑوں طرح کی ڈیلز "آفرز۔ میں بس ایک ہوں نیازی صاحب۔ میری بس ایک کمپنی اور میری بس ایک ڈیل۔ ہاں یا نہیں کی ڈیل۔۔۔۔۔ کیا کیوں کیسے نہیں۔۔۔۔۔ وضاحتیں میں دیتا نہیں اور نا ہی

مجھے دینی آتی ہیں۔ میں کمر کے دکھاتا ہوں۔ اور یہاں بیٹھے سب افراد یہ بات جانتے ہیں

11

وہ زرا رکا تھا۔

مجھے پتہ ہے میں یارس ہوں جینٹل مین۔ اور یہ بات آپکو بھی پتہ ہے۔ یہاں سب مجھ "

"سے جر کر سونا ہی تو ہونے آئے ہیں

اسکی داہنی طرف بیٹھے احسان بھائی نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

منظر ایک دم سے بدلا تھا۔

احسان بھائی نے اسے تیزی سے آگے بڑھ کے گلے سے لگایا تھا۔ وہ بس خاموشی سے

ان کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔ بہت دیر تک۔

تجھ سے جڑ کے لوگوں کو سونا ہوتے دیکھتا آ رہا ہوں دانیال۔ یہ پارس مٹی کیسے ہوا "

“????”

"ہر شے کو فنا ہے ناں بھائی"

وہ ہولے سے بولا تھا۔ احسان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

اسے دیکھ کر وہ مسکرائی تھی۔ دانیال نے جواباً ایک مسکراہٹ اس پہ اچھالی تھی۔
 "مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم یہاں آرہے ہو ورنہ میں کچھ ڈھنگ کا تیار ہو کر آتی"
 "مجھے خود بھی ابھی تھوڑی دیر پہلے پتہ چلا کہ مجھے یہاں آنا ہے"
 دانیال نے سافٹ ڈرنک کا گھونٹ بھرا تھا۔

وہ ڈیڈ کے دوست کی بیٹی تھی۔ مزہ چوہدری۔ یہ غنیمت تھا کہ اسے اسکا نام یاد تھا ورنہ اسکے اگے پیچھے جو لڑکیوں کی لمبی قطار تھی، اکثر کی تو وہ شکلیں تک نہیں پہچانتا تھا۔

"اس ویک اینڈ پہ کیا کر رہے ہو؟؟؟"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر آئے تھے۔

" Nothing special. May be a movie, hang out with friends "

" Why not a dinner with me ? "

ممی نے اسے گلے سے لگایا تھا۔

"میرا بیٹا۔۔۔۔۔ میرا بچہ"

ڈیڈ بھی پاس ہی کھڑے اسے فکر مندی سے دیکھ رہے تھے۔ دو دنوں میں وہ نازوں سے پلا انکا بچہ کملا گیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اسے فرق نہیں پڑتا لیکن وہ تو سرتا پا اس "فرق" کے اثر میں تھا۔

"وہ لڑکی۔۔۔۔۔"

"ممی پلیز۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔"

وہ جلدی سے بولا تھا۔

پلیز۔۔۔۔۔ مجھے کہہ لیں۔۔۔۔۔ جو بھی کہنا ہے۔۔۔۔۔ میں کھڑا ہوں ناں یہاں۔۔۔۔۔ میں "

"ہوں ناں مجرم۔۔۔۔۔ پلیز اسے نہیں۔۔۔۔۔"

وہ التجائیہ لہجے میں کہتا چلا گیا تھا۔

"تو مجرم نہیں ہے مجھے پتہ ہے۔ میرا بیٹا ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔"

وہ چپ رہ گیا

وہ جھوٹ بول رہی ہے ---- مجھے پتہ ہے ---- وہ جھوٹی ہے ---- وہ اپنی "

" اوقات ----

" ممی ---- مجھے تکلیف ہوتی ہے "

اس کی آنکھ سے وہ آنسو بہا تھا۔ اس نے کسی بچے کے سے انداز میں ماں کو دیکھا تھا۔
انکا دل کٹ کے رہ گیا تھا۔

" اچھا بس ---- چلو جاؤ ---- "

ڈیڈ نے کہا تھا۔

نہا دھو کے فریش ہو جاؤ ---- کھانا کھاتے ہیں ---- جاؤ ---- جلدی فریش ہو کر "

" آؤ ----

انہوں نے اسکا کندھا تھپتھپایا تھا۔

اس نے فوراً فون کان سے لگایا تھا۔ دوسری طرف وہ رو رہی تھی۔
"دانیال۔۔۔۔ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔ ابھی۔۔۔۔۔"

ہمیشہ ہوئے دیکھ کر
مجھ کو برہم
کسی دن زرا مسکرا
!!!!!! کر تو دیکھو۔۔۔۔۔

اسے وہاں دیکھ کر دانیال مرتضیٰ کو تکلیف ہوئی تھی۔
پہلی دفعہ۔۔۔۔ پہلی پہلی تکلیف جو اس کے ذریعے سے اسے ملی تھی۔

وہ رقصاں تھی۔ اسی ہوش ربا انداز سے جس ہوش ربا انداز کا وہ سنگیت تھا۔ احسان اور اسکے دوست سیج کے سامنے آدھے دائرے کی شکل میں کھڑے تھے۔ نوٹوں کی گڈیاں پکڑے۔ ایک ایک نوٹ اونچا کرتے اور اسے اشارہ کرتے کہ وہ لے جائے۔ اس کے قریب آنے پہ اسے چھونے کی کوشش کرتے۔ اسکے ساتھ شرارت کرتے۔۔۔۔ وہ تکلیف دہ تھا۔

ان آدمیوں کے قبیل میں وہ جو مرد تھا، اس کے لیئے وہ تکلیف دہ تھا۔ وہ کسی بھی دل رکھنے والے کے لیئے تکلیف دہ ہی ہوتا۔

وہ اتنی تذلیل کے لیئے نہیں بنائی گئی تھی۔ وہ ایسے تماشے کے لیئے تخلیق نہیں کی گئی تھی۔ اسکو یوں کسی کے دل بہلانے کو تراشا نہیں گیا تھا۔ وہ بھلے مٹی کی مورت تھی پر اسے ہیرے موتیوں کے ایسے سنبھال کے رکھا جانا چاہیئے تھا۔

"تم چلی جاؤ یہاں سے۔۔۔۔۔"

"کیوں؟؟؟؟"

اس نے اچھنبے سے کہا تھا۔

محبت

رب کی بندے سے محبت۔۔۔۔

اسکے بندوں کی بندوں سے محبت-----

اس نے دل دیا اور اس میں محبت دی۔ تو پھر اس میں شک کیسا؟؟؟؟؟ کوئی کسی کو
چاہ بھی نہیں سکتا؟؟؟؟؟؟ کوئی کسی سے نفرت کرے اتنی کہ اسکی جان لے لے
یہ ممکن ہے لیکن کوئی کسی کی محبت میں جان دے دے، یہ ممکن نہیں؟؟؟؟؟؟
وہ اٹھ کھڑا ہوا ہے اپنی کرسی سے۔۔۔۔۔

"آ جاؤ۔۔۔۔۔ آج سے یہ سیٹ ہے تمہاری"

تو میری سنو وہ تو بس ایک کرسی تھی۔ وہ اس سے دنیا مانگتی تو وہ اسکی تگ و دو میں لگ جاتا۔۔۔۔۔

"چلیں حماقت ہی سی"

احسان نے کچھ کہنا چاہا لیکن چپ ہو گئے تھے۔ وہ اپنے سے چھ سال چھوٹے بھائی کی رگ رگ سے واقف تھا وہ۔ وہ ایک بار ہاں کہہ دیتا تھا تو اسکو ناں میں کوئی ماں کا لال نہیں بدل سکتا تھا۔

تو وہ پہلے اسکے دل میں اتری تھی۔ وہاں سے اسکی کمپنی میں۔ اب ہولے ہولے اسکی زندگی میں شامل ہوتی جا رہی تھی۔

احسان ٹھیک کہتا تھا۔ وہ کوالیفائیڈ نہیں تھی۔ وہ اس پوسٹ کو ڈیزو نہیں کرتی تھی۔ اسے اس سب کی اے بی سی بھی نہیں پتہ تھی۔ وہ تو بس ایک شوپیس تھی۔ اسکی مدد کے لیے ایک اور اسسٹنٹ رکھ دی گئی تھی۔ تو سارا کچھ وہ دیکھتی تھی۔ ہماری لیلیٰ صاحبہ تو بس نام کی پی اے تھیں۔

"اس ساری مراعات کا مقصد کیا ہے دانیال؟؟؟"

اس دن اس نے پوچھا تھا

"ایک مرد عورت پہ جان تک لٹانے کو تیار ہو جائے تو اسکا مقصد کیا ہوتا ہے ؟؟؟؟"

"وہ اسے خریدنا چاہتا ہے"

وہ فوراً بولی تھی۔

"یا وہ اسے خریدنا نہیں چاہتا ہے"

وہ مسکرا دی تھی

خرید تو تم مجھے رہے ہو۔ روز۔ لمحہ لمحہ۔ تمہیں شاید دکھائی نا دیتا ہو لیکن یہاں سب مجھ

پہ انگلی اٹھاتے ہیں اور وہی انگلی تم پہ بھی اٹھتی ہے۔ وہ ہنستے ہیں تم پہ دانیال کہ تم

"ایک لڑکی کے لیئے مرے ہی جا رہے ہو

"میں مرا ہی جا رہا ہوں"

وہ زرا رکا

"میں مر گیا اس دن جب تمہیں دیکھا تھا۔ سچ میں۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی

"تو یہ سب مجھے پانے کے لیئے ہے ؟؟؟؟"

"ناکریار"

صحیح کہہ رہی ہوں۔ وہ عام آدمیوں کی طرح ہی ہے۔ وہ اچھا بن رہا ہے۔ اپنے پیسے کا "زعم ہے اسے۔ اسے لگتا ہے وہ سب سے الگ ہے۔ اسے لگتا ہے وہ یوں پارسا بن کے "مجھے پٹا لے گا۔ وہ سمجھتا ہے اسے میرے جسم سے کوئی سروکار نہیں۔

وہ زرا کی

وہ جھوٹا ہے۔ اسے شاید خود بھی پتہ نا ہو لیکن وہ جھوٹا ہے۔ وہ کہیں نا کہیں مجھ پہ "دسترس چاہتا ہے۔ بس یہی تو چاہت ہے اسکی۔ وہ چاہتا ہے میں اسے اپنا آپ سونپ دوں۔ اسے لگتا ہے میں یہ کردوں گی

"اور وہ جو کہتا ہے محبت-----"

وہ ہنس پڑی اور دیر تک ہنستی رہی تھی۔

کوئی سچ میں کسی سے محبت کر سکتا ہے؟؟؟؟؟ کوئی اس جیسا سچ میں مجھ جیسی "سے محبت کر سکتا ہے؟؟؟؟؟

خوش ؟؟؟؟؟؟؟؟؟ بس خوش ؟؟؟؟؟؟؟؟؟

وہ لچ ٹائم میں اسکے ساتھ ریسٹورنٹ میں آئی ہوئی تھی۔ اس خوبصورت سے فانوس کے عین نیچے، سلیقے سے سبھی میز پر وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ فضا میں فریشنر کی ہلکی سی مہک تھی۔ دھیمے سروں میں سنگیت بج رہا تھا۔

اس سفید پھولوں کے بکے کو ایک طرف ہٹا کر دانیال نے میز پر، اسکے سامنے وہ ڈبیا رکھی تھی۔

وہ خوبصورت انگوٹھی تھی جس میں بیش قیمتی ہیرہ جڑا ہوا تھا۔
لیلیٰ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ہولے سے مسکرایا۔ وہ طنزاً ہنسی تھی۔
"تو بس ؟؟؟؟؟؟؟؟؟؟ یہی انت ہوتا ہے ناں ؟؟؟؟؟؟"

وہ زرا کی

لڑکی نے ہنس کے بات کی۔ تمہیں گھاس ڈالی۔ تمہاری بات سنی۔ جاب لے لی۔ " تمہارے ساتھ کھانا کھالیا۔ بس سمجھو پٹ گئی۔ ہے ناں ؟؟؟؟ "

"تم غلط سوچ رہی ہو"

وہ آہستگی سے بولا تھا

اور تم بھی غلط سوچ رہے ہو دانیال مرتضیٰ کہ میری ہاں ایک ہیرے سے خریدی جا "سکتی ہے"

وہ میز پہ ہاتھ مار کے زور سے چلائی تھی۔ ارد گرد کی میزوں پہ موجود افراد انہیں ہی دیکھنے لگے تھے۔

یہ بالکل ویسے ہی دانیال مرتضیٰ جیسے کوئی مجھے رقص کے دوران نوٹ دکھائے اور "اشارے سے کہے کہ آؤ اور لے لو۔ میں لینے جاؤں تو وہ بدلے میں کچھ بھی کر لے۔ یہ ویسے ہی ہے۔ یہ ہیرہ وہی نوٹ ہے۔ تم وہی عیاش خریدار ہو۔"

وہ بہت دیر تک گنگ رہ گیا تھا

"میں ایک حلال رشتہ چاہتا ہوں لیلیٰ"

"تم بس مجھ پہ دسترس چاہتے ہو۔ بس"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آئندہ مجھے اپنی شکل مت دکھانا اور نا ہی میرے پیچھے آنا۔۔۔۔۔"

"میری بات سنو۔ سوری تمہیں برا لگا۔ سوری۔۔۔۔۔ یہ فساد کی جڑ ہے، اسے بھول جاؤ"

اس نے ڈبیہ کو انگوٹھی سمیت ڈسٹ بن میں اچھال دیا تھا۔

"دانیال چاول تو لو ناں۔ لو"

ممی نے اسکی پلیٹ میں خود سے چاول ڈالے تھے۔

"بس ممی۔۔۔۔۔"

چپ کرو۔ مجھے پتہ ہے پرسوں سے تم نے کچھ نہیں کھایا ڈھنگ سے۔ جیل میں بھی "

"بھلا کوئی کھاتا ہے

تبھی اسکا فون بجا تھا۔

"لیلی کالنگ"

اس نے اچھنبے سے دیکھا تھا۔

"دانیال۔۔۔۔۔ مجھے تمہاری مدد چاہیئے۔۔۔۔۔ پلیز ابھی۔۔۔۔۔"

وہ کھانا چھوڑ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سب نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟؟؟؟؟"

"مجھے جانا ہوگا"

"ہوا کیا ہے؟؟؟؟؟"

وہ بنا بتائے باہر نکل آیا تھا۔ گاڑی دوڑاتا ہوا وہ وہاں پہنچا تھا۔ گاڑی وہیں ایک طرف کھڑی کر کے وہ باہر نکلنے کو تھا جب اسکی نظر اس لفافے پہ پڑی تھی۔ کچھ سوچ کے اس نے وہ اٹھا لیا تھا۔۔۔۔۔

اگرچہ کسی بات پر

وہ خفا ہیں

تو اچھا یہی ہے

تم اپنی سی کرلو

وہ مانیں نا مانیں

یہ مرضی ہے انکی

!!!!!! مگر انکو پُر نم منا کر تو دیکھو-----

گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے پہلے سوچا کہ دستک دے لیکن پھر سوچا جانے وہ کس مصیبت میں ہوگی تو سیدھا اندر آگیا تھا۔
وہ اسے وہیں مل گئی تھی۔

برآمدے کی سیڑھی پہ ستون کے پاس بیٹھی ہوئی۔ سر جھکائے۔ وحشت زدہ سی۔ زمین تک لٹکتا ڈوپٹہ اور الجھے بال۔

اس دیکھا تو وہ نظریں ویسی نہیں تھیں جیسی ہمیشہ ہوتی تھیں۔

خفا خفا۔۔۔ یا نخوت بھری۔۔۔ اس سے چڑی ہوئیں۔۔۔۔

نہیں وہ اب ایسی نہیں تھیں۔

وہ بس آنکھیں تھی۔۔۔۔

تمہیں لگا کہ ایسے اچھے بن کر نکاح کی بات کرو گے تو میں چا پ چا پ مرعوب کو جاؤں "

"گی اور تمہارے سامنے جھک جاؤں گی ؟؟؟؟"

"معاف کر دو پلیز۔۔۔۔۔"

تم بھی سب مردوں کی طرح ہو۔ بس لڑکی پٹانا مقصد ہوتا ہے۔ وہ اچھے بن کر پٹاؤ یا "

"برے بن کر اس سے فرق نہیں پڑتا

"معافی مانگ تو رہا ہوں "

"کس کس بات پہ معاف کروں ؟؟؟؟"

ہر بات پہ۔ جو جو بات تمہیں بری لگی، جو جو حرکت، سب معاف کر دو۔ بس یوں "

"مت جاؤ۔ پلیز۔۔۔۔۔"

"چلے جاؤ دانیال مرتضیٰ "

"پلیز معاف کر دو "

"میں نے کہا جاؤ۔"

"اچھا چلا جاؤں گا۔ پہلے ایک بار کہو مجھے معاف کر دیا ہے "

وہ چپ رہی تھی

مینا کی آنکھیں کھل گئی تھیں

"ہیرے کی انگوٹھی؟؟؟؟"

اس نے کندھے اچکا دیئے

"میری بلا سے۔۔۔۔"

"اس نے تجھے پرپوز کیا اور تو نے پرپوزل اسکے منہ پر دے مارا؟؟؟؟"

"ہاں تو؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"تو بیوقوف نہیں لیلیٰ بلکہ ایک ناشکری لڑکی ہے"

وہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی تھی۔

تو وہی ہے ناں جو ایک ایک روپے کے لیئے ٹکے ٹکے کے لوگوں کے سامنے ناچتی تھی"

؟؟؟؟"

ہاں میں وہی ہوں۔ میں وہی ہوں بیٹا اور وہ ان ہی ٹکے ٹکے کے لوگوں میں سے ایک " ہے۔ اسکے لیئے بھی میں بس دل بہلانے کا ایک ذریعہ ہوں۔ وہ رقص ہو یا پرپوزل، وہ " دل ہی بہلا رہا ہے

اس نے نفی میں سر ہلادیا

نہیں۔ بات یہ نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ تو اس سے بدلہ لے رہی ہے۔ ان سب " مردوں کا جن جیسا تو اسے سمجھتی ہے۔ تجھے اس جیسا کوئی ملا نہیں ہے تو تجھے پتہ ہی نہیں ہے کہ اس جیسوں سے کیسے ڈیل کرنا ہے۔ تو اسے ذلیل کر رہی ہے تو اپنے تئیں اس تذلیل کا بدلہ لے رہی ہے جو اسکی سوسائٹی اور اسکی جنس تیری کرچکے ہیں۔ تو اس سے ترلے منتیں کرو تا می ہے، اپنے سامنے اسکی ناک رگڑواتی ہے، خوش ہوتی ہے ؟؟؟؟ "

" بکو اس نا کر "

" بکو اس کر رہی ہوں یا سچ بول رہی ہوں ؟؟؟؟ "

وہ چپ رہ گئی تھی

“?????”

"تم بس ایک مرد ہو۔ سب مردوں جیسے ایک"

وہ اثبات میں سر ہلا گیا۔

اس دن انکی پراڈکٹ کی مارکیٹنگ کے لیئے شوٹ تھی۔

ماڈلز۔۔۔ کیمبرہ مین۔۔۔ ڈائریکٹر۔۔۔ وہ سب آئے ہوئے تھے۔ وہ دلچسپی سے سب کچھ دیکھتی چھر رہی تھی۔ ساری شوٹنگ کے دوران وہ وہیں رہی تھی۔ اپنا ایٹ ٹیوڈ اور وہ سارا تنہا جھلائے اس سب میں مگن رہی تھی۔

"تمہیں یہ دنیا پسند ہے ؟؟؟؟"

سیٹ لگ چکا تھا۔ سکریٹ تیار تھا۔ ڈیزائنرز۔۔۔ کیمہ مین۔۔۔ سب اپنے اپنے کاموں میں لگے تھے۔ وہ ایک نئی زندگی میں مصروف ہو چکی تھی۔ اپنی من چاہی زندگی میں۔ وہ جسے کل تک کوئی جانتا تک نہیں تھا، اب ایک اہم فلم میں مرکزی کردار ادا کرنیوالی تھی۔

"میں آپکا مشکور ہوں سر۔ مجھے یہ چانس دینے کے لئے بہت شکریہ"

اس دن وہ لیلیٰ سے ملنے سیٹ پہ آیا تو اسے مرسل خواجہ ملا تھا۔ تپاک سے اس سے ہاتھ ملاتا وہ کہہ رہا تھا۔ وہ انڈسٹری کو کوئی ایسا اہم نام نہیں تھا۔ اسکے کریڈٹ پہ کوئی ایسی فلمیں بھی نہیں تھیں۔ کم از کم اس فلم سے تو چھوٹی ہی تھیں۔ وہ فلم اسکے کیریئر میں یقیناً ایک نیا سنگ میل ثابت ہونیوالی تھی۔

میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ یہ تو صفوان کا فیصلہ تھا تمہیں کاسٹ کرنا تو اسے شکریہ

"بولو۔۔۔"

وہ زرا رکا

"یا پھر میڈم کا کہ وہ تمہارے ساتھ کام کرنے کو تیار ہیں۔"

وہ مسکرا دیا

"میڈم کے تو سر ہم غلام ہیں"

وہ اسے دیلھ کر ہنساتھا۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ ان کے درمیان کچھ تو ایسا تھا کہ اسے چونک جانا چاہیئے تھا لیکن اسے وہ سب دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ یا تو بیوقوف تھا، یا پھر اسکی محبت سچ میں اندھی تھی۔

وہ مرسل خواجہ جیسے مردوں سے واقف تھی۔

ان کی سرشت اسے اچھے سے سمجھ آتی تھی۔ لڑکی کو دیکھ کر رال ٹپکاتے، انہیں جال میں پھنسانے کو ہر حیلہ کرتے، بلاوجہ کے ہنسی مذاق، بہانے بہانے سے کوششیں کچھ بے باک جسارتیں، کچھ اشارے۔۔۔۔

وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ گھاس ڈال رہا تھا۔ وہ جال پھینک رہا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ وہ دانہ کھانے کو اترے گی تو قید کر لی جائے گی لیکن۔۔۔۔۔

لیکن وہ پھر بھی اتری تھی۔ اسکے پاس دانوں کی کمی نہیں تھی لیکن پھر بھی وہ مرسل خواجہ کے پھینکے دانوں پہ اتری تھی۔

لگے دن وہ اسے دیکھ کر مسکراتی رہی تھی۔ وہ بھی شرارت سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ اسے اشارے کرتا رہا تھا۔ وہ محفوظ ہوتی رہی۔ شرما تی رہی تھی۔

"چلو میرے ساتھ۔۔۔۔۔"

اسکو کلائی سے پکڑ کے اٹھایا اور اپنے ساتھ باہر تک لایا تھا۔ وہ حیران سی اسکے پیچھے پیچھے گاڑی تک آئی تھی۔ آس پڑوس کے لوگوں نے اچھنبے سے دیکھا تھا، چہ لگوئیاں بھی کی تھیں۔ وہ سب سرگوشیاں اس نے سنی تھیں لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔ اسے جسکی پرواہ تھی وہ اسکے ساتھ، اسکے برابر میں سیٹ پہ بیٹھی تھی۔

سفر شروع ہوا۔ وہ خاموشی سے سامنے دیکھتا ڈرائیو کرتا رہا تھا۔ وہ بس کن انکھیوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ یہاں تک کہ گاڑی رک گئی۔ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔ وہ مرسل کے اپارٹمنٹ والی بلڈنگ تھی۔ اب اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"مجھ پہ بھروسہ رکھنا"

دانیال مرتضیٰ جب تک اس پہ لٹو ہے، تب تک ہی یہ فلم ہے۔ اسکا ہاتھ لیلیٰ کے " سر سے اٹھ گیا تو یہ فلم کھٹائی میں پڑ جائے گی۔

وہ رسان سے کہہ رہا تھا

اسے دانیال سے متنفر مت کرو۔ اسکے ساتھ وقت گزارو، اٹھو بیٹھو، بیڈ روم میں جو " مرضی کرو مجھے پرواہ نہیں لیکن اسے دانیال کی پرواہ ہونی چاہیے۔ وہ آنکھیں بند کر کے " خرچ رہا ہے۔ اسکی آنکھیں کھلنی نہیں چاہیے ہیں اس نے سمجھنے کے سے انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

سمجھ تو وہ اسی دن گیا تھا جب کسی بات پہ اس نے دانیال کو کان پکڑے اسے سوری کرتے دیکھا تھا۔ وہ امیر زادہ، وہ ارب پتی بزنس مین اس لڑکی کے ہاتھوں کھٹ پتلی بن چکا تھا۔

وہ ان سب کے ہاتھوں بھی کھٹ پتلی بنا رہے گا، یہ ان سب کا بس وہم تھا۔ وہ محبت میں بیوقوف تھا، دنیا داری میں وہ ان سب کا باپ تھا۔

انعم احسان اس فلم کی سیکنڈ لیڈ ہیروئن تھی۔

اسکا رول لیلی کے مقابلے میں چھوٹا اور اتنا متاثر کن نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ ایک اہم حصہ تھی۔ وہ اس سے پہلے کئی مشہور ڈرامے اور دو فلمیں بھی کر چکی تھی۔ خوش شکل خوش مزاج اور ڈیسنٹ سی وہ لڑکی ہر کسی کا دل جیت لیا کرتا تھی۔

اس دن دانیال مرتضیٰ جب سیٹ پہ پہنچا تو لیلیٰ کا شوٹ چل رہا تھا۔ وہ وہیں انتظار میں بیٹھ گیا جب اسے کمپنی دینے کو انعم وہاں آ بیٹھی تھی۔

یونہی معمول کی باتیں۔۔۔۔۔ چھوٹی چھوٹی باتیں۔۔۔۔۔ ہنسی۔۔۔۔۔ مذاق۔۔۔۔۔ چائے۔۔۔۔۔ اسے اپنا سین کرنا دو بھر ہو گیا تھا۔ وہ کئی بار لائنز بھولی تھی۔ دھیان بھٹک بھٹک کر ان دونوں کے پاس ہی منڈلاتا رہا تھا۔ وہ جو دلچسپی سے اسکی سن رہا تھا اور وہ جو کھلکھلاتی ہوئی جانے کیا کیا قصے چھیڑے ہوئے تھی۔

"لیلیٰ دھیان کہاں ہے ؟؟؟؟"

صفوان نے دو بار لوکا اور تیسری بات ڈانٹ دیا تھا۔

"مجھے بریک چاہیئے"

وہ ڈیسنگ روم میں آگئی۔ کھڑکی سے وہ دونوں صاف نظر آرہے تھے۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے اپنا موازنہ اس لڑکی سے کیا تھا۔

وہ یقیناً اس سے زیادہ خوبصورت تھی۔ اس سے زیادہ اچھے گھرانے سے، انڈسٹری میں اس سے اوپر، اچھا خاندان۔ وہ اس سے کئی درجے نیچے تھی۔ اس نے اپنا موازنہ وہاں موجود ہر پر لڑکی سے کیا تھا۔ اس لمحے اس نے جاناکہ وہ ہے کیا۔۔۔۔۔

اسکا کوئی خاندان نہیں تھا۔ کچھ آگاپچھا بھی نہیں تھا۔ شکل صورت بھی کوئی تورپریوں جیسی نہیں تھی۔ وہ اگر وہاں تھی، وہ اگر کچھ تھی تو اس شخص کی بدولت تھی۔ وہ اس شخص کی بے پناہ محبت کا صدقہ تھا جو وہ کھا رہی تھی۔ وہ شخص نا ہوتا تو وہ کہاں ہوتی

?

اسے پتہ تھا وہ کہاں ہوتی۔۔۔۔۔

"مجھے تم سے شادی کرنی ہے"

دانیال کے پیر بریک پہ جا پڑے تھے۔ گاڑی عین سڑک کے بچوں بیچ رک گئی تھی۔ اس نے بے یقینی سے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

گاڑی کے پیچھے سڑک پہ ٹریفک رک چکی تھی۔ گاڑیوں والے شور مچا رہے تھے۔

"کیا کہا تم نے ؟؟؟؟؟؟"

"تم نے سن لیا ہے"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا

"یہ کوئی مذاق ہے ؟؟؟؟؟؟"

لیلی نے برا سا منہ بنایا تھا۔

"مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا"

وہ کانسٹیبل اسکی طرف ہی آ رہا تھا۔ وہ چالان اسکی زندگی کا پہلا چالان تھا اور ایسے چالان وہ ہر لمحہ کھٹا سکتا تھا۔

وہ کورٹ سے اسکے ساتھ باہر نکلی تو اسے ادراک ہوا کہ وہ کیا کر چکی تھی۔ اس ایک لمحے میں خود کو کمزور جان کر مضبوط ہونے کی سعی میں وہ اس شخص کا طوق ہمیشہ کے لیے اپنے گلے میں ڈال چکی تھی۔

وہ جو اسکا ہاتھ تھامے، مسکراتا ہوا، خوشی میں سرشار کورٹ سے نکلا تھا۔

"تم نے اسے جتوا دیا۔ وہ تمہیں جیت گیا لیلیٰ۔ یہ تم نے کیا کر ڈالا۔"

وہ نجانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ وہ کچھ بھی سن نہیں پا رہی تھی۔ وہ اپنے دل کی سن رہی تھی جو خوش نہیں تھا۔ وہ ابھی اسکا نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"میں چاہتی ہوں ابھی تم اس نکاح کو راز ہی رکھو۔"

اس نے گاڑی میں بیٹھتے ہی اس سے کہا تھا۔

"صحیح وقت آنے تک۔۔۔ یا کم از کم جب تک میں کہوں تب تک۔۔۔۔۔"

وہ زرا کی زرا چپ رہ گیا تھا۔ ایک لمحے کو اسکی مسکراہٹ بھی سمٹی تھی۔ اس نے وہ لفافہ وہیں ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا تھا۔

"یہ صحیح وقت نہیں ہے؟؟؟؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا تھا

"میں نہیں چاہتی کہ لوگ مجھے یہ کہیں کہ میں نے تمہیں استعمال کیا ہے۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا پھر ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا

"مجھے منظور ہے"

وہ لمبی سانس بھر کر رہ گئی تھی۔

دانیال نے اسکی ناک پہ پوری قوت سے مکا مارا تھا۔ وہ لڑکھڑا کے کئی قدم پیچھے ہٹا تھا۔ وہ غصے میں آگے بڑھا اور جنونی انداز سے اسکے منہ پہ لکے برساتا چلا گیا تھا۔ مرسل کی ناک سے خون کا فوارا بہہ نکلا تھا۔ لمحوں میں اسکی شرٹ اور ہاتھ خون سے لال ہوتے چلے گئے تھے۔

مجھے کمزور مت سمجھنا۔ مجھے بیوقوف مت سمجھنا۔ یہ مت سمجھنا کہ میرے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ پچھلی بار جیل گیا تھا تو اپنی مرضی سے، وہاں رہا تو اپنی مرضی سے، باہر آیا تو

تمہیں پتہ ہے یہ مجھے کتنی عزیز ہے۔ یہ فلم میرے خوابوں کی تعبیر ہے۔ تم یوں ایک "دم سب کیسے ختم کر سکتے ہو؟؟؟؟؟"

دانیال نے نرمی سے اسکا ہاتھ تھاما تھا

وہ دھوکے باز ہے لیلیٰ۔ وہ تمہیں یا اس سب کو ڈیزرو نہیں کرتا۔ وہ یہ فلم ڈیزرو نہیں "کرتا"

"اور میں؟؟؟؟ میں کیا ڈیزرو کرتی ہوں؟؟؟؟"

وہ اسے تند نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

میری محنت کا کیا؟؟؟؟ وہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے تو اسکی سزا سب بھگتیں گے "؟؟؟؟"

"تو کیا کروں؟؟؟؟"

وہ یکدم زور سے بولا تھا۔

اسے اسکی کرنے دوں؟؟؟؟ وہ جو جی میں آئے کرے؟؟؟؟ اس پہ لوٹا دوں وہ "سب جو میری کمائی ہے؟؟؟"

تم فکر مند مت ہو۔ اور بہت اچھے ڈائریکٹر ہیں۔ میں بات کروں گا۔ میں جلد تمہارے " لیے ایک اچھی فلم بنواؤں گا۔ تم۔۔۔۔۔

تم دفع ہو جاؤ دانیال اور کبھی دوبارہ اپنی شکل مت دکھانا۔ مجھے تمہاری یا تمہاری فلم کی " ضرورت نہیں ہے۔

اب کی بار وہ ناراض نہیں ہوئی تھی۔ وہ اس پہ غصہ تھی۔ اور غصہ ناراضگی سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

وہ کئی دن تک آفس نہیں گئی تھی۔ اسکی کوئی کال نہیں سنی تھی۔ وہ کئی بار گھر تک آیا تھا لیکن اس نے دروازہ ہی نہیں کھولا تھا۔ اسے وہ شخص زہر سے بھی زیادہ برا لگ رہا تھا۔ ایک پل میں وہ اسکے خوابوں کو چکنا چور کر چکا تھا۔

بھاڑ میں جاؤ تم دانیال مرتضیٰ۔ لعنت ہے تم۔ تم وہی ہو، وہی عام سے مرد جو کسی " سے دشمنی میں اپنی عورت تک داؤ پہ لگا دیتا ہے۔ تم نے بھی وہی کیا ہے۔ تم بھی " وہی ہو۔ وہی ایک عام مرد۔۔۔۔۔۔۔

دانیال سے اسکی بے رخی بہت سارے لوگوں کی نظروں نے بھانپ لی تھی۔ ان میں سے ایک سلطان تھا۔

بڑا برا کیا دانیال نے آپ کے ساتھ۔ ایسے کوئی کرتا ہے بھلا۔ اچھی خاصی آپ ہیروئن " بننے والی تھیں۔ چہ چہ۔۔۔۔۔ بڑا افسوس ہوا مجھے سن کر

وہ بزنس مین تھا۔ دانیال جتنا اسکا قد تھا اور نا ہی پہنچ لیکن وہ اسکی کمزوری بھانپ گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اس شخص کو منہ کے بل کیسے گرانا ہے۔ وہ گھاگ آدمی تھا۔

لیکن اسکا تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ وہ تو وہیں کا وہیں ہے۔ روپیہ پیسہ، گھر بار، آگے " پیچھے نوکر چاکر۔ اسکا کچھ نہیں بگڑا۔

وہ زرا رکا تھا۔

کچھ ایسا کریں کہ اسے بھی تو تکلیف ہو۔ اسے بھی فرق پڑے لیلیٰ جی۔ کچھ ایسا کہ

" اسے پتہ تو چلے کہ اس نے اچھا نہیں کیا۔۔۔۔۔

وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

وہ گاڑی میں اسکے برابر والی سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ خاموش سی، سر جھکائے ہوئے۔۔۔۔۔
وہ خون سے آلودہ ہاتھوں کو بے بسی سے مسلتا جا رہا تھا۔
"ایک بات بتاؤ گی؟؟؟؟؟"

وہ ہولے سے بولا تھا۔ لیلیٰ نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں بولی تھی۔
"تمہیں اس دن مجھ پہ ترس نہیں آیا تھا؟؟؟؟؟؟؟"
دانیال نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ تو اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ ایک آنسو
اسکی پلکوں کی باڑ پار کر کے اسکے گال پہ بہہ نکلا تھا۔

جو الفت میں ہر اک
ستم ہے گوارا
یہ سب کچھ ہے پاسِ وفا
تم سے ورنہ
ستاتے ہو دن رات

کسی غیر کو

!!!! ایوں سنا کر تو دیکھو۔۔۔۔۔

وہ بہت دنوں بعد اسکے آفس میں آئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر یوں کھل اٹھا تھا جیسے کوئی بچہ اپنی من پسند شے دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے۔ اس نے خود سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ وہی نجانے کیا کیا کہتا رہا تھا۔ وہ خاموشی سے، سر جھکائے اپنے ڈیسک پہ بیٹھی کام کرتی رہی۔ وہ باتیں کرتا رہا۔ وہ فائلیں الٹ پلٹ کرتی رہی۔ سب نے دیکھا تھا کہ وہ باتیں کر رہا تھا اور وہ انکسور کر رہی تھی۔ وہ سب کو یہی تو دکھانا چاہتی تھی۔ وہ یہی تو چاہتی تھی کہ سب گواہ رہیں کہ دانیال مرتضیٰ اسکی طرف بڑھا تھا، وہ نہیں۔ وہ اسکے لیئے ہمکتا تھا، وہ اسے بھاؤ تک نہیں دیتی تھی۔ وہ یہی باور کروانے تو آئی تھی۔

اسکے آفس میں جانے سے پہلے بھی اس نے باآواز بلند سب کو سنا کر کہا تھا۔

"جی سر میں آتی ہوں فائلز لیکر۔۔۔۔۔"

سب نے یہی دیکھا کہ دانیال نے اسے بلایا تھا اسی لیے وہ اسکے آفس میں گئی تھی۔
 کیا ہونیوالا تھا، یہ بس وہی جانتی تھی۔ اور وہ سب جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اسے
 اس شخص کو برباد کرنا تھا جس نے اس سے اسکے خواب کی تعبیر چھین لی تھی۔ وہ اسے
 آس دلا کر وہاں تک لایا تھا اور منزل سے زرا دور اسکا ہاتھ چھوڑ کر اسکی راہ گم کر دی تھی۔
 سلطان سمجھا تھا کہ وہ یہ سب اڈکے کہنے پہ کر رہی تھی۔ اسے لگا تھا وہ اس کے دیئے
 پیسوں کے لالچ میں آگئی تھی۔ وہ خوش تھا کہ وہ اسکی باتوں میں پھنس کر دانیال کو بدنام
 کرنے پہ راضی ہوئی تھی۔ وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھا تھا کہ اسکے لیے وہ پرسنل تھا۔

"تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟؟؟؟"

وہ اسکے سامنے بیٹھی تھی جب دانیال نے کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ ہوں ناراض۔ تم بتاؤ نہیں ہونا چاہیے کیا؟؟؟؟؟"

"لیلیٰ میں۔۔۔۔۔"

"بس"

اس نے اسے چپ کروا دیا تھا۔

"میں تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتی ہوں۔ میں یہ سب بہت بار سن چکی ہوں"

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"پھر تم کیوں آئی ہو ؟؟؟؟؟؟"

وہ آگے کو ہوئی اور اسے بغور دیکھا تھا۔

"انتقام لینے کے لیے۔۔۔۔۔"

اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا تھا۔

"کیسا انتقام ؟؟؟؟؟؟؟؟"

اس نے جواب میں اپنی قمیض کو کندھے سے پکڑ کے جھٹکا دیا تھا۔ باریک کپڑا دور تک پھٹنا چلا گیا تھا۔ دانیال شاکر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے بالوں میں لگا کچر کھول چکی تھی۔

تم کہتے ہو مجھ ڈے محبت کرتے ہو، اس محبت کے لیے کیا کیا تم نے ؟؟؟ چند کروڑ"

روپے کے لیے تم نے مجھ سے میرا خواب چھین لیا ؟؟؟ بس یہ محبت تھی تمہاری

"دانیال مرتضیٰ ؟؟؟؟؟؟"

وہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہولے سے بولی تھی۔

وہ گھسٹتا ہوا بیڈ تک پہنچا تھا اور سہارا لیکر کھڑا ہونے کی کوشش کی تھی۔ فرش پہ دور تک خون کے چھینٹے اور نشان تھے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا ہوا آئیے کے سامنے جا رہا تھا۔

سامنے اسکا عکس تھا۔

مُرسل خواجہ۔۔۔۔۔

ناک کی ہڈی بری حالت میں تھی۔ اوپری ہونٹ پھٹ چکا تھا۔ دور تک خون بہہ کر جم چکا تھا۔ سارے چہرے پہ سوجن تھی۔ تکلیف کی شدت سے وہ جبرہ تک نہیں ہلا پا رہا تھا۔

تم نے اچھا کیا کیا دانیال مرتضیٰ۔ تم مے میرے اندر کے درندے کو جگا دیا۔ یہ جنگ "تمہاری نہیں تھی، تم بلاوجہ اس میں کود پڑے ہو۔ اب نقصان تو ہوگا ناں اس نے جھک کر وہ دراز کھولی تھی۔ اس میں اوپر ہی وہ سیاہ ریوالور پڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"ایسے سب ٹھیک ہو جائے گا؟؟؟؟؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"مجھ پہ بھروسہ ہے ناں؟؟؟؟؟"

"یہ بہت زیادہ ہو گیا ہے دانیال۔ یہ زیادہ ہو گیا ہے"

احسان نے اس سے کہا تھا۔ وہ اسکا ہاتھ پکڑے وہیں رک گیا تھا۔

"تو آپ کیا چاہتے ہیں؟؟؟؟؟"

میں بس یہ چاہتا ہوں کہ یہ پاگل پن ختم ہو جائے۔ یہ دیوانگی، یہ بیوقوفی بھری

"دیوانگی-----"

ممی بھی وہیں تھیں۔ وہیں خاموش ڈیڈ بھی بیٹھے تھے۔

یہ وہی لڑکی ہے ناں جس نے مے مپ کا الزام لگایا تھا۔ زرا سوچو تو سہی دانیال۔

"رہیپ----- تمہاری مردانگی کو کچھ بھی نہیں ہوتا؟؟؟؟؟؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھتے بولتے چلے گئے تھے۔

یہ تمہارا بھی گھر ہے۔ جو مرضی کرو۔ جیسے مرضی رہو۔ ہم کون ہوتے ہیں اعتراض "کرنے والے

وہ ایک نئی زندگی کی شروعات تھی تو اس نے بھی اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔

دانیال کے خلاف وہ جھوٹا کیس اس نے واپس لے لیا تھا۔ پریس کانفرنس کر کے اس سارے معاملے کی وضاحت بھی کی تھی اور دانیال مرتضیٰ سے معافی بھی مانگ لی تھی۔

سلطان لال پیلا ہو گیا تھا۔ اسے فون کیا اور گالیاں دیتا رہا تھا۔ اس نے سب خاموشی سے سنا تھا اور پھر فون رکھ دیا تھا۔ اسکے دیئے پیسے خود اسکے منہ پہ مار کے آئی تھی۔

تم سب کہتے ہو ناں کہ وہ سب سے اچھا ہے، اب کہو میں بھی اچھی ہوں۔ دیکھو میں "

" بھی اسکے لیئے یہ سب کر رہی ہوں

" تم بھی اچھی ہو "

مینا نے کہا تھا۔

ڈیڈ اسکے ولیمے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہر شے بھلا کر وہ سب دلجمعی سے اسکی خوشیوں کا مان رکھے، اسکی محبت کو معتبر جان کر اسکے لیئے وہ سب سامان کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ بھابھی تو پریگنسی کی وجہ سے زیادہ باہر نہیں جاتی تھیں، مئی ہی اسے لیئے شاپنگ کرواتی پھری تھیں۔ اسکی پسند کے کپڑے، جوتے، زیور۔ وہ جو چیز کہہ دے، وہ جس شے پہ ہاتھ رکھ دے۔

"کسی چیز کی کمی نہیں رہنی چاہیئے۔ میرے دانیال کی خوشی ہے آخر مذاق تھوڑی ہے۔"

ڈیڈ ایک ایک چیز خود دیکھ رہے تھے۔ ساری اینجمنٹس، کھانا، ڈیکور، ہر چیز۔۔۔۔۔

وہ اسکے بیڈ روم میں تھی۔ اسکے بیڈ پہ اور وہ۔۔۔۔۔

"تم آرام سے سو جاؤ۔ میں یہاں صوفے پہ سو جاؤں گا"

دانیال نے اس سے کہا تھا۔

میں دوسرے کمرے میں سو جاتا لیکن پھر مئی ڈیڈی سوال کریں گے یو نو۔۔۔۔۔ میں "

"اب کچھ خراب نہیں کرنا چاہتا۔۔۔۔۔"

وہ فریش ہونے چلی گئی تھی۔ واپس لوٹی تو وہ صوفے پہ لیٹا سو چکا تھا۔ وہ بہت دیر تک کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی۔

، وہ شخص کیا چیز تھا

وہ اکثر سمجھ نہیں پاتی تھی۔ وہ اسکی سمجھ میں آتا ہی نہیں تھا۔

اب بھی صوفے پہ آڑھا ترچھا لیٹا، وہ پرسکون نیند سو رہا تھا اور وہ خاموش کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اسے چاہتا تھا، یہ سارا شہر جانتا تھا۔ لیکن پھر وہ اسے چاہتا کیوں نہیں تھا؟ وہ چاہتا تو ایک چٹکی بجاتا اور اسے پالیتا، پھر وہ پاتا کیوں نہیں تھا؟ وہ چٹکی بجاتا ہی نہیں تھا۔۔۔۔

وہ اندر کہیں یہ چاہتی تھی کہ وہ چٹکی بجائے۔۔۔ وہ اس پہ قابو پالے۔۔۔۔ وہ اسکی دسترس میں نا ہو اور وہ غالب آتا جائے۔۔۔۔ وہ اسے بے بس کر دے اور اس پہ قابو پالے۔۔۔۔ تاکہ پھر وہ اسکے منہ پہ اسکا کردار مار کے کہے کہ دیکھا۔۔۔۔

وہ ہارتا ہی نہیں تھا۔۔۔۔

وہ آج تک اپنی زندگی میں بس آدمیوں سے ملتی آئی تھی۔ اب یہ ہوا تھا کہ وہ ایک مرد سے ٹکرا گئی تھی۔

وہ سٹیج پہ اسکے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس خوبصورت مگر قیمتی لباس میں ملبوس۔۔۔۔۔
اسکے پاس۔۔۔ اسکے ساتھ۔۔۔۔۔

وہ خوش تھا۔

وہ سچ میں بہت خوش تھا۔

اور اسکی ساری کیفیات بس یہ ایک لفظ ہی بیان کر سکتا تھا۔

کمرے میں اے سی کی میٹھی سی خنکی بھری ہوئی تھی۔ گلابوں کی مہک حواسوں پہ چھائی
عجب سرشاری سی بھر رہی تھی۔ وہ بیڈ کے وسط میں اپنا لنگا بکھرائے، سر جھکائے
بیٹھی تھی جب وہ اندر داخل ہوا اور چلتا ہوا اسکے سامنے آ بیٹھا تھا۔
بہت دیر تک تو وہ بس بیٹھا اسے دیکھتا رہا تھا۔ وہ سچ میں وہاں تھی، اسکے سامنے، اسکے
پاس، اسکے ساتھ، وہاں۔۔۔۔۔۔ یہ یقین کرنے میں اسے بہت دیر لگی تھی۔
"تم ایک فیور دو گی مجھے؟"

اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ آگے کیا تھا۔

"مجھے ایک چٹکی کا ٹوٹا کہ مجھے یقین آجائے کہ یہ خواب نہیں ہے"

اس نے اپنے حنائی ہاتھ سے اسکی ہتھیلی پہ چٹکی بھری تھی۔

وہ مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا ؟؟؟؟"

"چلو۔۔۔۔۔ تمہاری منہ دکھائی مجھ پہ ادھار رہی"

"تم تھک گئی ہوگی۔ تم چلیج کر کے آرام کرلو"

وہ واش روم سے نکلی تو وہ روز کی طرح صوفے پہ تکیہ رکھ کر لیٹنے کی تیاریوں میں تھا۔

"دانیال"۔۔۔۔۔

اس نے ہولے سے پکارا تھا۔ اس نے مڑ کے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے تم پہ مجھروسہ ہے"

وہ اسکی آنکھوں میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ دانیال کا دل اپنی تال سے اتر چکا تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتی اسکے سامنے اکھڑی ہوئی تھی۔ اتنی پاس کہ اسکی دھڑکنیں اس نے اپنے سینے میں محسوس کی تھیں۔ دانیال نے اسکے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں مقید کر لیا تھا۔ اسکی قربت کے فسوں میں بہتا وہ اسکے اور پاس چلا آیا تھا۔ اپنے لبوں سے اسکی بند آنکھوں کو چھونے کے بعد، اس نے اسکی ناک کی پھنگ پہ اپنے لمس چھوڑے تھے۔ اسکی پر حدت سانسیں وہیں کہیں تھیں۔ اب کہ وہ انکی کھوج میں ہی نکلا تھا۔

وہ تکلیف --- وہ چادر --- وہ سلوٹیں ---

تنہی واش روم کا دروازہ کھلا تھا اور وہ تولیئے سے بال رگڑتا ہوا باہر نکلا تھا۔ اسے جاگا دیکھا تو ہولے سے مسکرایا تھا۔

"میں نے تمہیں ڈسٹرب کیا کیا؟؟؟؟؟"

وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

"نہیں"۔۔۔۔۔

چلو۔۔۔ فریش ہو جاؤ۔۔۔ ساتھ میں ناشتہ کرتے ہیں۔ پھر مجھے ایک میٹنگ کے "

"لئے جانا ہے

اس نے حیرانی سے دیکھا

"تم تو چھٹی پہ نہیں تھے؟؟؟"

چھٹی پہ ہی ہوں یا لیکن یہ میٹنگ ضروری ہے۔ تم فکر مت کرو میں دوپہر تک فارغ "

"ہو جاؤں گا۔ پھر لنچ ہم ساتھ میں باہر کریں گے۔

وہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

ناشتے کے بعد وہ فارغ تھی۔

ممی اپنی دوست سے ملنے چلی گئی تھیں۔ بھابھی اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ وہ پہلے تو لان میں پھرتی رہی، پھر اندر آگئی۔ لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھی یونہی بے مقصد ٹی وی پہ سرچنگ کرنے لگی۔ تبھی اس چینل پہ وہ ٹھٹھک کر کی تھی۔

وہ کسی نئی فلم کی اناؤسمنٹ کے لیے پریس کانفرنس تھی۔ سٹیج پہ فلم کے پروڈیوسر ڈائریکٹر، کاسٹ اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ سوالوں کے جواب دیتے۔۔۔۔

جس شے نے اسکی توجہ اپنی طرف کھینچی تھی، وہ انعم احسان تھی۔ کیمبرہ اس پہ فوکس تھا اور وہ ہی بول رہی تھی۔

اس فلم کے بننے میں سب سے بڑا ہاتھ جس شخص کا ہے وہ یہاں نہیں ہیں۔ " دانیال مرتضیٰ۔ میں انکی بہت شکر گزار ہوں کہ ایک پروڈیوسر کے طور پہ انہوں نے مجھے اس فلم کے لیے منتخب کیا۔۔۔۔۔ یقیناً یہ انہوں نے میری پہلی فلم کی ہونیوالی بدمزگی کے ازالے کے لئے کیا لیکن میں پھر بھی انکی شکر گزار ہوں۔ اور اسکے ساتھ ساتھ انہوں نے مجھے اپنی کمپنی کے نیشنل کانٹینٹ کے لیے مجھے ایمبیسڈر کے طور پہ چنا ہا۔ یہ "میرے لیے بہت فخر کی بات ہے۔ شکریہ دانیال مرتضیٰ وہ شکرد بیٹھی رہ گئی تھی۔

مجھ سے غلطی ہوئی۔۔۔۔۔ میں اسے پہچان نا سکی۔۔۔۔۔ وہ وہی تھا جو میں اسے سمجھتی " آئی تھی۔۔۔۔۔ ایک عام مرد۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔ رال ٹپکاتا ہوا جانور۔۔۔۔۔ جو کسی پہ بھی ریتجھ " جاتا ہے۔۔۔۔۔ جو کسی کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔۔۔۔۔ وہ بھی وہی ہے

وہ آئینے کے سامنے کھڑی نفرت سے کہہ رہی تھی۔

دانیال مرتضیٰ مجھ سے غلطی ہوگئی جو تم پہ بھروسہ کر لیا۔ غلطی ہوگئی جو خود کو تمہاری "

"دسترس میں دیدیا۔ یہی تم چاہتے تھے ناں۔ ہوگیا تو بس۔۔۔۔۔"

وہ بولتی جا رہی تھی۔

تم نے مجھے ہرا دیا۔۔۔۔۔ تم نے مجھے بے مول کر دیا۔۔۔۔۔ وہ میرا خواب تھا جو تم نے "

کسی اور کو تعبیر بنا کر سونہ دیا۔۔۔۔۔ دانیال مرتضیٰ وہ میرے اجالے تھے جہنمیں تم نے

کسی اور کی ملکیت میں دے دیا۔۔۔۔۔ تم نے مجھے اندھیر کر دیا۔۔۔۔۔ مجھے ویران

”کر دیا۔۔۔۔۔

اسکی آنکھیں سیاہ ہوتی چلی گئی تھیں۔

تبھی اس نے فون اٹھایا تھا۔ دانیال کا میسج تھا۔ اس نے لنچ کا وقت اور جگہ میسج کی

تھی۔ اس نے نفرت سے وہ دیکھا اور وہ دوسرا نمبر ملانے لگی۔

"ہیلو مرسل خواجہ۔۔۔۔۔ تمہارے لئے ایک ڈیل ہے۔۔۔۔۔"

، وہ سفید لباس میں نک سک سی تیار بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ سلیقے سے بنے بال
شانوں پہ پھیلا دوپٹہ، ہلکی سی ہم رنگ جیولری۔

"تم کیا مجھے مار ڈالنے آئی ہو ؟؟؟؟"

وہ اسے دیکھ کر مہبوت رہ گیا تھا۔ وہ مسکرا بھی نہیں سکی تھی۔ سارے وجود پہ ایسی کلفت چھائی ہوئی تھی کہ کچھ بھی کہنے سننے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ سامنے بیٹھے اس شخص سے اتنی گھن آرہی تھی کہ اس کے منہ پہ یہ تھوک دینے کو دل کر رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟؟؟؟"

وہ اسکے بد دلی بھانپ گیا تھا

"بیگم صاحبہ کا موڈ کیوں آف ہے ؟؟؟؟"

وہ چپ رہی تھی۔ دانیال نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"چلو پھر تمہارے موڈ کو ٹھیک کرتے ہیں۔ ایک سرپرائز کے ساتھ"

اس نے کہہ کر وہ فائل لیلیٰ کے سامنے کی تھی۔ اس نے بے توجہی سے اسے دیکھا اور دیکھتی رہ گئی۔

اس پلندے پہ آخری چیز جو اس نے رکھی تھی وہ ڈبیہ تھی۔ وہی انگوٹھی۔ ہیرے سے سبجی۔ بیش بہا۔ خوبصورت۔

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

اس نے ہمیشہ اس شخص کو غلط آٹکا تھا۔ وہ اسکی قیمت ہی نہیں جان سکی تھی۔ اس نے لوگوں کے ریوڑ میں اسے سب سے کمتر جانا تھا۔ وہ ہر ہر موڑ پہ اسے بے مول کرتی آئی تھی۔ وہ اسے سمجھی ہی نہیں تھی۔ اس نے کبھی اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اپنی ذات کی اونچی دیواروں کے اس پار اس نے اس شخص کی پہاڑوں جیسی شخصیت دیکھی ہی نہیں تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔۔۔ لیلیٰ۔۔۔۔۔ تم رو رہی ہو؟؟؟؟؟"

وہ پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بس روتی جا رہی تھی۔

وہ شخص ہمیشہ اسکا آسمان بنتا آیا تھا۔ اس نے ہمیشہ اس آسمان سے نکلنے کی خواہش رکھی تھی۔ وہ شخص اسکے لیے ہر شے تیار رکھتا تھا اور اسے اس شخص کے سوا ہر شے چاہیئے تھی۔

” اے ”

"سرشت میں ناشکری ہے۔۔۔۔۔"

وہ نا سمجھنے کے سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ سب کیوں کہہ رہی ہو لیلیٰ۔۔۔۔ دیکھو سب ٹھیک ہے۔۔۔۔"

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ تبھی اسکا فون بجا اور وہ مسیج آیا تھا۔

"وہ میرے نشانے یہ ہے۔ میں گولی چلانے والا ہوں"

اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ پھر بے بسی سے کہا تھا۔

"میں تمہیں ڈیزرو نہیں کرتی دانیال مرتضیٰ"

گولی چلنے کی آواز آئی تھی۔

لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور سامنے بیٹھے دانیال کے سامنے
 ڈھال بن گئی تھی۔ وہ شکڈ بیٹھا اسے خود پہ جھکا دیکھتا رہ گیا تھا۔
 گولی لیلیٰ کے سینے میں اتر چکی تھی۔ اس کے سفید لباس پہ دور تک سرخ لکیر نمودار ہو چکی
 تھی۔

ہر طرف بھگدڑ مچ گئی تھی۔

بچے رونے لگے تھے۔ ہر طرف افراتفری تھی۔ باہر وہ آدمی اس گولی چلانے والے کو جکڑ
 چکے تھے۔ پولیس کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔

اندر دانیال ابھی تک دم بخود سا تھا۔ اس کے سامنے فرش پہ وہ بے جان وجود پڑا تھا۔ اس کے
 وجود سے بہتا خون دور تک جمع ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پتھرا چکی تھی۔

اس نے ساری بدن کی ہمت جمع کی تھی اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا
 ہوا وہ واپسی کے لیے مڑ چکا تھا۔

، بنا روئے

بنار کے

وہ ہزینی انداز میں چلا رہا تھا۔

وہ ستاتی تھی تو ستاتی رہتی۔ میں نے گلہ کیا؟ میں نے کبھی کہا کہ میں اب نہیں "سہوں گا؟ اس نے جو جو کیا، میں نے اف بھی کی؟؟؟ میں نے کہا کہ اب اور نہیں؟؟؟ میں نے ہار نہیں مانی تو وہ کیوں ہار مان گئی؟؟؟؟ اس نے کیوں کیا ایسا؟؟؟" اب کے بار کا زخم اس نے مجھے کیوں نہیں ملنے دیا؟؟؟؟؟

اسکی چیخوں پہ سب وہیں آچکے تھے۔ ممی سے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ انکی آغوش میں منہ دیئے بلک بلک کر رو دیا تھا۔

وہ چلی گئی ممی۔۔۔۔۔ میرے حصے کی موت ممی۔۔۔۔۔ وہ کیوں چلی گئی۔۔۔۔۔ وہ تو "میرے لیئے تمھاناں۔۔۔۔۔ وہ کیوں۔۔۔۔۔"

گولی چلانے والے نے مرسل کا نام اگل دیا تھا۔ وہ اقرار جرم کر چکا تھا۔ لیلیٰ اس میں شامل تھی، اسکی ریکارڈنگ تھی اسکے پاس۔

"جنازہ تیار ہے دانیال۔۔۔۔۔ چل اسے وداع کر دے"

اس نے شدت سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

اب نہیں۔۔۔۔۔ اب اور نہیں۔۔۔۔۔ اسکا یہ آخری ظلم نہیں۔۔۔۔۔ بس۔۔۔۔۔ اب اور " نہیں

اس نے کسی کی بھی نہیں سنی تھی۔ اپنے کمرے میں بند ہو گیا تھا۔
اس سے ساری زندگی بے تحاشا محبت کی ہے مگر اس لمحے تک جب اس نے میری " موت کو اپنے گلے لگا لیا۔ اس ایک لمحے نے میری ساری محبت کو اسکے لیئے ختم کر دیا۔ وہ محبوب ہی کیا جو اپنے محب پہ قربان ہو جائے۔۔۔۔۔ وہ عاشق ہی کیا جو معشوق کی زندگی " جیتا رہے۔۔۔۔۔

شہرِ خاموشاں تھا۔

وہ تازہ بنی ہوئی قبر تھی۔

مٹی کی ڈھیری۔۔۔۔۔ پھولوں سے لدی ہوئی۔۔۔۔۔

فضا اگرستی کی تیز خوشبو سے بوجھل تھی۔ ہوا سے لہراتے درخت بھی خاموش تھے۔ مٹی میں مل چکی پتیوں کی باس بھی پھسکی پڑتی جا رہی تھی۔

